جذبه

04-19-2017

فہرست

انکشافات

نپولین ۱

بچوں کی دنیا

اعتراف ۲
جنگل کہانی ۳

سچی کہانیاں

ننھی پری ۴

معاشرہ اور ثقافت

خواتین کا عالمی دن ۵
سوشل میڈیا کے دانشور ۷
کاروباری راز ۸

نپولین

مصنف: یوسف

یہ اُس دور کی بات ہے جب نپولین نے روس پر حملہ کیا تھا۔ اُس کے فوجی دستے ایک اور چھوٹے سے قصبے میں جنگ میں مصروف تھے۔ اتفاق سے نپولین اپنے آدمیوں سے بچھڑ گیا۔ کاسک فوج کے ایک دستے نے نپولین کو پہچان لیا اور شہر کی پُرپیچ گلیوں میں اُس کا تعاقب شروع کردیا۔ نپولین اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتا ہوا ایک بغلی گلی میں واقع ایک سمور فروش کی دکان میں جا گھسا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔دکان میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی اُس کی نگاہ سمور فرش پر پڑی وہ بے چارگی سے کراہتے ہوئے بولا ''مجھے بچالو! مجھے بچالو! مجھے کہیں چھپا دو۔'' سمورفروش بولا ''جلدی کرو! اُس گوشے میں سمور کے ڈھیر کے اندر چھپ جائو!'' پھر اُس نے نپولین کے اوپر اور بہت سے سمور ڈال دیے۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ کاسک فوجی دستہ دندناتا ہوا اُس کی دکان میں آ گھسا اور فوجی چیخنے لگے ''وہ کہاں ہے؟'' ''ہم نے اُسے اندر آتے ہوئے دیکھا ہے؟'' سمور فروش کے احتجاج کے باوجود اُن فوجیوں نے سمورفروش کی دکان الٹ پلٹ کر رکھ دی۔ نپولین کی تلاش میں اُنھوں نے دکان کا چپا چپا چھان مارا۔وہ اپنی تلواروں کی نوکیں سمور کے ڈھیر میں گھساتے رہے لیکن نپولین کو تلاش نہ کر پائے۔ بالآخراُنھوں نے اپنی کوشش ترک کر دی اور واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب سکون ہوگیا تو نپولین سمور کے ڈھیر میں سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ اُسے کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔

عین اُسی لمحے نپولین کے ذاتی محافظ بھی اُسے تلاش کرتے ہوئے وہاں آن پہنچے اور دکان میں داخل ہوگئے۔ سمورفروش کوجب اندازہ ہوگیا کہ اُس نے کس عظیم شخصیت کو پناہ دی تھی تو وہ نپولین کی جانب گھوم گیا اور شرمیلے لہجے میں گویا ہوا ''میں اتنے عظیم آدمی سے یہ سوال پوچھنے پر معذرت چاہوں گا! لیکن سمور کے اِس ڈھیر کے نیچے جب آپ کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگلا لمحہ یقینی طور پر آپ کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ہو سکتا تھا تو آپ کو کیا محسوس ہوا تھا؟'' نپولین جو اب پوری آن بان کے ساتھ تن کر کھڑا ہوچکا تھا، سمورفروش کے اِس سوال پر غصے میں آگیا اور برہمی سے بولا ''تمھیں مجھ سے، بادشاہ نپولین سے، یہ سوال کرنے کی ہمت کیوں کر ہوئی؟''

پھر وہ اپنے محافظوں سے مخاطب ہوا ''محافظو! اس گستاخ شخص کو باہر لے جائو۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اِسے گولی مار دو! میں بذاتِ خود اس پر فائر کھولنے کا حکم دوں گا۔'' محافظوں نے اُس بے چارے سمور فروش کو دبوچ لیا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ پھر اُسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کرکے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ سمورفروش کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، البتہ اُس کے کانوں میں محافظوں کے حرکت کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جو دھیرے دھیرے ایک قطار میں کھڑے ہو کر اپنی رائفلیں تیار کر رہے تھے۔

ساتھ ہی اُسے سرد ہوا کے جھونکوں اور کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہوا کے تھپیڑے اُس کے لباس سے ٹکرا رہے تھے اور اُس کے گال یخ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور وہ اُن پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تب اُس کے کانوں میں نپولین کی آواز سنائی دی جس نے کھنکارتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا اور آہستگی سے بولا ''ہوشیار... شست باندھ لو۔'' اُس لمحے میں یہ جانتے ہوئے کہ اُس کے تمام احساسات و جذبات اُس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں، سمورفروش کے اندر ایک ایسا احساس نمو پذیر ہونے لگا، جسے بیان کرنے سے وہ قاصر تھا۔اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔

اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی جو اُس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب وہ آواز اُس کے عین نزدیک آ گئی تو کسی نے ایک جھٹکے سے اُس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی۔ اچانک روشنی ہونے سے سمورفروش کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، تب اُس نے نپولین کو دیکھا جو اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس کے مقابل کھڑا تھا۔ اُس نے نپولین کے لب وا ہوتے دیکھے۔ وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا ''اب تمھیں پتا چل گیا؟''

§§§

اعتراف

مصنف: یوسف

اسکول میں ہر طرف خوشی کا سماں تھا آج سکول نویں اور دسویں کلاس کے درمیان میچ ہونا تھاپورے سکول کے بچوں کی زبان پر طلحہ کا نام تھا کیونکہ جب سے طلحہ اس سکول میں آیا تھا وہی ہر بار میچ جیت رہا تھا ۔میچ سے پہلے طلحہ اور حامد کا جب آمنا سامنا ہوا تو طلحہ نے مسکراتے ہوئے حامد کو دیکھ کر کہا ہارنے کے لیے تیار رہو ۔حامد نے بس خاموشی سے دکھا اور کہا ہار جیت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے ۔

پھر کچھ دیر بعد سکول کے گراونڈ میں یکا یک سب لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے ۔استاذہ صاحب کے آتے ہی کھیل شرع ہوگیا ۔طلحہ اور حامد کے مابین مقابلہ عروج پر تھا ۔آخر کھیل تقریبا دو گھنٹے تک چلتا ہوا آخری مرحلے میں پہنچ گیا ۔پانچ اسکور اور دو گیند کی دوری پر حامد کی ٹیم جیت کی دوری پر تھی ۔گراونڈ میں حامد کے نام کی پکاریں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی ۔طلحہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو نا شروع ہوگئے تھے ہمیشہ سے جیت کا تغمہ اپنے سر سجانے والے طلحہ سے شکست ہوتی برداشت نہ ہورہی تھی اس کے ذہن میں کھیل شروع ہونے سے پہلے حامد کے کہے ہوئے الفاظ مسلسل گونجنے لگ گئے تھے کہ ۔''ہار جیت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے ''وہ اسی سوچ میں گم تھا جب سکول کے گراونڈمیں شور برپا ہوگیا۔

اس نے دیکھا کہ سب لوگ حامد کو مبارک باد پیش کر رہے ہیں اس کے والدین بھی حامد کو گلے لگاتے ہوئے دعائیں دیں رہے ہیں ۔اس کو اب اپنے والدین پر غصہ آنے لگا گیا وہ وہاں غصے سے اپنی کلاس کے کمرے میں جاکر بیٹھ گیا ۔اورہارنے کی شرمندگی سے رونے لگ گیا ۔اسی وقت اس کے ماں باپ وہاں آگئے اور طلحہ کو سمجھنے لگ گئے کہ تمہارے مخالفوں کو تمہاری وجہ سے دفاعی لائن میں ایک زبردست شگاف مل گیا ہے اور وہ شگاف تم ہی ہو۔

زندگی کی سب سے بڑی حقیقت اعتراف ہے۔ ایمان ایک اعتراف ہے۔ کیونکہ ایمان لا کر آدمی اپنے مقابلہ میں خدا کی بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اعتراف ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کر کے ایک شخص بین انسانی ذمہ داریوں کا اقرار کرتا ہے۔

بیٹاتم کو حامدکی خوشی میں خوش ہونا چاہیے اور اس کواس کی جیت پر مبارک آباد دینی چاہیے ۔اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے کھیل اچھا کھیلا ہے ۔اور یہی اعتراف تمہاری جیت ہوگئی۔اصل خوشی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا ہے ۔

حامد نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور چلتا ہوا گراونڈمیں بنے سٹیج پر چڑھتا ہوا حامد کے سامنے جاکھڑا ہوا جہاں پر سب استاذہ اکرام حا مد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی نام لے کر بلا رہے تھے۔سب سے پہلے اس نے حامد کو مبارک باد پیش کی۔ پھر مائیک پکڑے حامد کے ساتھ جاکھڑا ہوا وہاں موجود سب لوگ خاموشی سے اسے سننے لگا ۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ پچھلے سالوں سے میں ہی سکول میں جیتتا آرہا ہوں اور اس بار یہ بازی حامد لے گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حامد نے اس بار مجھے سے زیادہ اچھا کرکٹ کھیلا ہے اس بار حامداس کھیل کا '' چیمپین '' ہے ۔

میں نے آج سیکھا ہے کہ اعتراف تمام ترقیوں کا دروازہ ہے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اعتراف کے لیے آمادہ کرسکے۔ جب بھی ایسا کوئی موقع آتا ہے تو آدمی اس کو اپنی عزت کا سوال بنا لیتا ہے۔ وہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرابی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتٰی کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ جس غلطی کا صرف زبانی اقرار کر لینے سے کام بن رہاتھا اس غلطی کا اسے اپنی بربادی کی قیمت پر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔اور میں بربادی کی کسی قیمتی پر آکر اعتراف نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک ہار جیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے یہ جملہ بولتے ہوئے حامد کی طرف دیکھا اور اسی وقت حامد نے طلحہ کی طرف دیکھا تو وہ دونوں مسکرانے لگے مسکراتے ہوئے طلحہ نے کہا کہ آخری بات جو میں آپ سب کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے میں اپنے استاذہ اپنے ماں باپ اور حامد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے علم و حکمت سے سمجھا کر بتایا کہ غرور و تکبر اور اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے یا ہارنے پر حسد کرنے کی بجائے دوسروں کی خوشی میں خوش ہوکر اپنی ہار کو جیت بنا کر خوش رہنا چاہیے شکریہ ۔

پورے حال میں تالیوں کی گونج گھوم رہی تھی طلحہ پرسکون ہوکر اپنی ناکامی کو بھول کر دوبارہ سے کامیابی حاصل کرنے کوشش میں مگن ہوگیا۔طلحہ کا یہی اعتراف اس کی جیت بن گیا تھا۔

§§§

جنگل کہانی

مصنف: یوسف

پیارے بچوں! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں بہت سے جانور آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ گویا جنگل میں منگل تھا۔ شیر بھی بلاوجہ کسی جانور کو نہ مارتا۔ اگر بھوک لگتی تو گھاس کھا لیتا یا کسی کمزور جانور کو کھا لیتا۔ جنگل کے جانور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن نہ جانے کہاں سے اُن کے جنگل میں ایک لومڑی آگئی۔بچوں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لومڑی کتنی چالاک ہوتی ہے۔ جانوروں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئی ہو تو وہ جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگی اور بولی میں جس جنگل میں رہتی تھی وہاں میری کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔لہٰذا میں مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ جانور اس کو اپنے بادشاہ شیر کے پاس لے گئے اور ساری بات بتا دی۔

شیر نے کہا دیکھو بھئی تم سب جانتے ہو کہ لومڑی چالاک ہوتی ہے لہٰذا میں تو اس کو یہاں رکھنے کو تیار نہیں باقی تم ساروں کی مرضی۔ جانوروں کو لومڑی پر ترس آگیا اور آخر جانوروں کے کہنے پر شیر نے لومڑی کو جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ پہلے پہل تو لومڑی بڑی شریف بن کر رہی اور کوئی اُلٹی سیدھی حرکت نہ کی ۔لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے۔ اور جانوروں کو اپنی باتوں میں پھنسانے لگی۔ اوہ اُن سے کہتی کہ شیر تمھارے کمزور ساتھیوں کو کھا جاتا ہے اور تم لوگ چپ رہتے ہو اگر ایسا ہی رہا تو ایک دن تم سب مارے جاؤ گے۔ شروع میں تو جانوروں نے لومڑی کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔لیکن آخر جانور لومڑی کی باتوں میں آ گئے اور اُنہوں نے شیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور سارے شیر کو مارنے پر تُل گئے ۔لیکن وہ کمزور تھے اور خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لومڑی نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا میں ساتھ کے جنگل کے شیر کو جانتی ہوں وہ اُس شیر کو مار دے گا۔ جانور کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر اُنہوں نے حامی بھر لی۔ اور بی لومڑی ایک دن دوسرے جنگل کے شیر کو لے آئی۔اس نے آتے ہی متاثرہ جنگل کے جانوروں کے بادشاہ کو خون ریز لڑائی کے بعد مار دیا۔ جس پر جنگل کے جانور بہت خوش ہوئے اور اُس کو اپنا نیا بادشاہ بنا لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد نئے شیر نے بھی جانوروں پر ظلم شروع کر دیا۔ سب جانور اپنے کئے پر رونے لگے ۔آخر اُنہوں نے ہمت کی اور ہاتھی سے مدد کی درخواست کی۔ پھر ایک دن ہاتھی اور جنگل کے تمام جانور اکٹھے ہوئے اور شیر کو جنگل سے بھگا دیا۔ اور لومڑی کی بھی خوب خبر لی اور اُس کو بھی جنگل سے نکال دیا۔ جانوروں نے ہاتھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

نتیجہ:

بچوں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں میں نہ آؤ نہیں تو نقصان اُٹھانا پڑ سکتا ہے۔

ننھی پری

مصنف: یوسف

میں حسبِ معمول اپنے گھر کے قریب وسیع و عریض پارک میں شام سے پہلے واک کر نے آیا ہوا تھا سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں ٹھنڈی ہوا ؤں میں خنکی کا احساس بڑھ رہا تھا موسم کی خوشگواریت کی وجہ سے بہت سارے لوگ پا رک میں آئے ہو ئے تھے بچے ، نوجوان، بڑھے اور بو ڑھے ہر ہر عمر کے لو گ سبزہ پھول درخت جھیل ہر طرف خدا ئی قدرت اپنی رعنائی کا اور دلکشی کا مسحور کن احساس دلا رہی تھی کیونکہ گرمی کے بعد اب ٹھنڈ شروع ہو چکی تھی اِس لیے واک کر نے والے اور پارک کی سیر کر نے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی میں جو بچپن سے سبزے ہریالی درخت پھول جھیل فطرت کا شوقین ہوں سب کچھ انجوائے کر تا ہوا تیزی سے مٹی کے واکنگ ٹریک پر ادھر ادھر دیکھتا بڑے بڑے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا حسبِ معمول میرے ہونٹوں پر اسماء الحسنیٰ کا ورد جا ری تھا پارک سبزہ فطرت کے خوبصورت منا ظر اوراللہ کا ذکر سبحان اللہ میرا جسم اور روح کیف انگیز کیفیت کو انجوائے کر رہے تھے خوشگوار موسم کے اثرات سے میرا جسم روح سرشاری کی حالت میں تھے دوران واک چند ایسے دوستوں کا سامنا بھی ہوا جو اکثر یہاں واک کر تے ہیں ان سے مسکراہٹ کا تبادلہ کر کے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ پا رک میں لا ہو ر کے لوگوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد مسافروں یا ہا ہر سے آنے والے لوگوں کی ہوتی ہے مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کا اپنا اپنا کلچر زبا نیں رنگ و جسامت یہ سب مل کر ایک مخلوط کلچر سا بنادیتے ہیں میں اُن کو بغور دیکھتا جا رہا تھا اکادکا نئے شادی شدہ جو ڑے بھی نظر آرہے تھے جو دنیا ما فیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں ہا تھوں میں ہا تھ ڈالے بیٹھے یا چلتے نظر آرہے تھے یہ نئے شادی شدہ جو ڑے اپنی ہی دھن میں شادی کے خمار میں مست چہروں پر رنگوں کی قوسِ قزح بکھیرے نظراسوہے تھے میں چونکہ بچپن سے متجسس مزاج رکھتا ہوں اور اِس لیے بغور لوگوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑ ھ رہا تھا پا رک میں اکثر نوجوانوں کے مختلف ٹو لے بھی نظر آتے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کو چھیڑنے یا آوازیں کسنے سے باز نہیں آتے وہ بھی نظر آرہے تھے ہر شریف انسان کی طرح مجھے بھی ان پر بہت غصہ آتا تھا لیکن ساتھ یہ بھی سوچ کہ یہ عمر ہی ایسی ہے جس میں خو ف ہوش کی بجا ئے صرف جوش اور جوش ہی ہو تا ہے اِس لیے ایسے لڑکوں کو نظر انداز کر دیتا میں واک کر تا ہوا پا رک کے ایسے حصے میں آگیا جہاں مجھے ایسا ہی اوباش نوجوانوں کا ٹولا نظر آیاجو شاید کسی لڑکی کو تنگ یا اُس پر آوازیں کس رہے تھے میں روزانہ کی طرح نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا لیکن جب واک کر تا ہوا پو را چکر لگا کر دوبارہ اُسی جگہ پر آیا تو دیکھا کہ وہ لڑکے اُسی طرح ہی لڑکی کو تنگ اور آوازیں کس رہے تھے اب میں نے بغور اُس لڑکی کی طرف دیکھا تو سامنے ایک پندرہ سولہ سال کی سکو ل کے یو نیفارم میں ملبوس کسی چھوٹے شہر کی دھان پان سی سادہ لڑکی نظریں جھکا ئے بیٹھی تھی اُس کی گود میں اُس کا کتا بوں کا بیگ بھی تھا پہلے تو میں ہلکا مزاق سمجھ کر گزر گیا اب مجھے معاملہ سنجیدہ نظر آنے لگا میں تھوڑی دور جا کر رک گیا اور حالات کا سنجیدگی اور نزا کت کا احساس کر نے لگا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا تین یا چارلڑکے تھے جو بار ی باری اُس کو تنگ کر رہے تھے وہ لڑکی سر جھکا ئے بیٹھی تھی اُس کے پاس اُس کی کو ئی ساتھی یا بزرگ نہیں تھا میں نے چند منٹوں میں ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ اکیلی لڑکی ہے اِس کے ساتھ کو ئی بھی نہیں سورج غروب ہو نے کو تھا رات کا آنچل تیزی سے روشنی کو نگل رہا تھا نیم اندھیرے کی وجہ سے لڑکوں کی بد تمیزی میں اضا فہ ہو تا جا رہا تھا بلکہ وہ شاید اندھیرے کا انتظار کر رہے تھے تا کہ وہ زیادہ بد تمیزی کر سکیں میں سچیوئیشن کو بھا نپ چکا تھا کہ کو ئی اِس لڑکی کو یہاں چھو ڑ کر بھا گ گیا ہے اور یہ بیچاری اُس کا یا تو انتظار کر رہی ہے یا پھر اِس کو سمجھ نہیں آرہی کہ اب اِس پر دیسی شہر میں وہ کیا کر ے وہ مجبوری بے بسی کا بت بنی بیٹھی تھی اب میں جان چکا تھا کہ لڑکی شدید خطرے میں ہے اور کسی خو فنا ک حا دثے کا شکا ر ہو سکتی ہے میں نے فوری طور پر اپنے واقف سیکو رٹی گارڈ کو بلا یا اور اُس لڑکی کی طرف بڑھا مجھے اور سیکو رٹی گار ڈکو آتے دیکھ کر اوباش بڑے تیزی سے بھاگ گئے میں آہستہ آہستہ بیٹی کے پاس ہو گیا اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بری طرح ڈر گئی خوف اور پر دیس کی وجہ سے اُس کا جسم لرز رہا تھا اُس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیلی ہو ئی تھی اور آنکھوں میں خوف دہشت و یرانی اور قبرستان کے سناٹے کا راج تھا میں شفیق لہجے میں بو لا بیٹی مجھ سے ڈرو نہ میں آپ کے با پ جیسا ہو ں تم میری بیٹی ہو اب تمہیں کو ئی خطرہ نہیں ہے آپ میری بیٹی ہو اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میرے لہجے کی شفقت اور مٹھاس سے اُس کی آنکھوں میں زندگی کی رمق لہرائی اور اُس نے میری طرف دیکھا میرے شفقت سے لبریز لہجے سے اُس کے اندر جیسے کو ئی آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ پڑا جیسے خو دبخود کو ئی والو کھل گیا ہو اور پا نی بہنا شروع ہو گیا اُس کی معصوم آنکھوں میں عجیب سا سیلاب تھا جو اب بند تو ڑ کر بہہ نکلا تھا نہ اُس کے چہرے کا زاویہ بدلا نہ ہی کو ئی آہ بکا نہ سسکی نہ چیخ نہ آواز پا نی اُس کی آنکھوں سے اُس کے رخساروں کو مسلسل تر کر نے لگا اُس کے اندر کا کرب اُس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا خو ف اور دہشت سے وہ شاید قوت گو یائی سے محروم ہو چکی تھی آنسوؤں کی کثرت نے اُس کی قوت گو یا ئی چھین لی تھی یا وہ لکنت کا شکا ر ہو چکی تھی مجھے اُس پر بہت پیا رآرہا تھا میں اُس کی بے بسی اور آنسوؤں کی برسا ت سے اندر ہی اندر کٹ رہا تھا وہ ننھی معصوم پری آپنے آنسوؤں سے اپنے اوپر ہو نے والے ظلم کی داستان سنا رہی تھی ۔ میرے شفقت بھرے رویے کی وجہ سے اُس نے کئی بار بو لنے کی کو شش کی لیکن زبان شاید اُس کے اختیار میں نہیں تھے یا خوف نے اُس کے جسم و جان کو اِس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ الفاظ زبان پر آنے سے پہلے ہی تحلیل ہو جا تے تھے اُس کے اعصاب اور عضلات کسی بہت بڑی منفی کیمیا ئی تبدیلی سے گزرے تھے کہ اُن کا اِس میں تا ل میل ختم ہو حرکت بیٹھی تھی مجھے لگ رہا تھا وہ شاید نیم فالجی کیفیت کا شکار ہو چکی ہی وہ اپنے آپ میں نہیں تھی اُس کا جسم اور دما غ کسی شدید حا دثے سے گزرنے کے بعد کا م کر نا چھوڑ چکے تھے اُس کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہ جا رہی تھی میں نے اپنا ہا تھ بڑھا کر اُس کے سر پر رکھ دیا محفوظ ہو تم بالکل نہ ڈرو وہ خا موش گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی درد دکھ نمی بن کر اُس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا وہ رونے کی کو شش نہیں کر رہی تھی آنسو اُس کے ضبط کے سارے بندھن تو ڑ کر خو د بخود بہے جا رہے تھے اُس کے اندر پتہ نہیں کتنے سمندروں کا پانی تھا جو ختم ہو نے کا نام نہیں لے رہا تھا اُس کا معصوم نا زک چہرہ لگا تار آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا میں چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ بو لے الفاظ نکلے وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا گیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگی ۔

§§§

خواتین کا عالمی دن

مصنف: یوسف

مارچ کی 8تاریخ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منائی جاتی ہے ایک طرف اللہ تعالی نے جنت ماں کے قدموں میں رکھ دی ہے تو دوسری طرف آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے عورت کے حقوق پہ بحث کوئی نئی بات نہیں کئی صدیوں سے عورت اپنے حقوق کے حصول کے لیے جہدِ مسلسل میں ہے۔ وہی حقوق جن کی ادائیگی آج سے 14 سو سال پہلے اسلام کر چکا۔ اسلام جس نے عورت کو عزت و مقام دیا۔ ورنہ اسلام کے آغاز سے پہلے عرب میں عورت کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ایک نحوست سمجھی جاتی تھی۔ عورت کو فساد کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ ہندو معاشرہ جو آج بھی عورت کو مکمل حقوق دینے سے قاصر ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت دوبارہ سے نارمل زندگی گزارنے کا حق نہیں رکھتی۔ عورت کو ''ستی'' جیسی بے بنیاد اور غیر انسانی رسم کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔مغربی معاشرے کی عورت جو کبھی Feminism کی قائل تھی اب اُس معاشرتی آزادی سے تنگ آتی دکھائی دے رہی ہے۔فرانس جیسے ترقی یافتہ ملک میں عورت کو ووٹ ڈالنے کی آزادی نہیں تھی کچھ سال قبل عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہوا۔ عورت جو مغربی معاشرے میں مرد کے شانہ بشانہ معاشی ریس میں چلتی چلتی اب تھک چکی ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو مرد کے برابر کام کرنا پڑتا ہے۔ جہاں زندگی کی ساری سہولیات کے حصول کے لیے انسان دن رات کام تو کرتا ہے مگر پیسے اور کام کی اس دوڑ میں کہیں رشتے اور خاندان بہت دور جا چکے ہیں۔مشرقی معاشرہ جو ایک طرف تو غیرت کے نام پر بہن و بیوی اور بیٹی کا قتل جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف اسی معاشرے میں کسی کی بھی بیوی، بہن اور بیٹی سڑک و بس سٹاپ اور گلی بازاروں میں چلتی پھرتی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ اس کم پڑھے لکھے اور غیر ترقی یافتہ معاشرے میں اگر کوئی لڑکی بس کے انتظار میں ''بس سٹاپ'' پہ کھڑی ہو تو ہر عمر کا مرد اُسے لفٹ دینے کیلئے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں کسی مرد کو اپنی غیرت اور عزت تو محفوظ چاہیے مگر کسی دوسرے کی عزت انہی سڑکوں پہ رُسوا کی جاتی ہے۔آج اکیسویں صدی کے اس نام نہاد مہذب معاشرے میں عورت کی تعلیم اس کے حقوق اور آزادی پہ بات کرنے والوں نے کیا صحیح معنوں میں عورت کو عزت دینے کی کوشش کی؟عورت کی تعلیم جس کی بات آج مغربی معاشرہ کرتا ہے اس کے بارے میں احکام تو اسلام چودہ سو سال قبل دے چکا ہے۔ نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق''علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے''ایسا پریکٹیکل مذہب جو صدیوں پہلے ہی عورت کے حقوق متعین کر چکا جو عورت کو تعلیم کا حق دے چکا۔ اُسی مذہب کے پیروکار عورت کو عزت دینے میں اتنے بخیل کیوں؟اسی پاکستان میں جو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا آج بھی اس معاشرے میں جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں اسے وراثت میں حصے سے محروم رکھا جاتا ہے تو کہیں غیرت کے نام پہ اس کا خون بہایا جاتا ہے۔دنیا میں ہر چیز کے کچھ منفی اور کچھ مثبت پہلو ہوا کرتے ہیں۔ مرد چاہے مغربی معاشرے کا ہو یا مشرقی معاشرے کا اگر اس کی سوچ مثبت اور تعمیری ہو۔ اگر وہ اخلاقیات کے اعلٰی درجہ پہ ہو تو وہ عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یہ اُس کی تربیت ہے جو اسے عورت کی عزت کرنا سکھاتی ہے۔ اور مرد کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہو کر خاندان کے ماحول سے ہوتی ہوئی معاشرے کے طور طریقوں پہ ختم ہوتی ہے۔مثبت سوچ کے مالک لوگ نہ صرف عورت کو عزت دیتے ہیں بلکہ انہیں خاندان اور معاشرے کا نہایت اہم رُکن کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں وہ اپنی ماں، بیوی اور بہن اور بیٹی ان سارے حوالوں سے عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اگر معاشرے کے مثبت پہلوؤں پہ روشنی ڈالتے ہوئے کئی روشن مثالوں کو بیان کریں تو اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے جدوجہدِ آزادی میں سرگرم رہنے والی خاتون ''فاطمہ جناح مادرِ ملت'' کہلائیں۔معاشرے کی فلاح اور رہنمائی کا بیڑا سَر پر اُٹھائے ہوئے دن رات مصروفِ عمل رہنے والی بلقیس ایدھی ایک منفرد اور اعلٰی سوچ رکھنے والے عظیم انسان کی بیوی ہے۔

ادبی دنیا میں ایک اعلٰی مقام رکھنے والی عظیم ادیبہ بانو قدسیہ کو بھی اشفاق احمد جیسے ایک اعلٰی پایئے کے محقق اور مدبر انسان کی معاونت حاصل رہی۔افواجِ پاکستان میں بھرتی ہونے والی خواتین جو اپنی زندگی داؤ پہ لگا کر فرض کی تکمیل کے لیے ہر روز ڈیوٹی پہ موجود ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلائینگ آفیسر مریم مختیار اس وطنِ عزیز کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والی باہمت بیٹی کا جنم بھی تو اسی معاشرے میں ہوا تھا۔اٹامک اور نیوکلیئر فزکس میں مہارت رکھنے والی اس قوم کی غیور ''بیٹی'' ڈاکٹر عافیہ صدیقی'' بھی تو کسی باپ کی بیٹی، کسی شوہر کی بیوی اور کسی بیٹے کی ماں ہے۔ کسی تہذیب میں تو مرد عورت کی تعلیم میں روکاوٹ بنا تو کسی جگہ اُسی کی سپورٹ کرنے میں سرِ فہرست رہا۔عورت اس معاشرے کا نہایت اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر نہ نسلیں چل سکتی ہیں نا قومیں بن سکتی ہیں۔ عورت کے وجود سے ہی زندگی ہے سوال یہ ہے کہ ''عورت آخر چاہتی کیا ہے؟''عورت عزت چاہتی ہے تحفظ چاہتی ہے۔ عورت تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کا حقیقی مقام سمجھتے ہوئے جو ایک ماں بھی ہے اور ایک بیٹی بھی وہ بیوی ہے اور بہن بھی و معاشرے کی ترقی میں عورت کے کردار کو سمجھا جائے۔ تعلیم عورت کا بنیادی حق ہے۔ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھے لکھے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔عورت کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن بنایا جا سکتا ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔

§§§

سوشل میڈیا کے دانشور

مصنف: یوسف

زید سے ہماری سلام دعا یا گپ شپ فیس بک کے ذریعے ہوئی، گپ شپ بھی بذریعہ میج ہوتی رہی ، دوران گپ شپ پتہ چلا کہ یہ صاحب کسی مذہبی جماعت کے کارکن اور ایک بہت بڑے مذہبی رہنما کے ماننے والے ہیں ایک دن انہوں نے ہمیں فیس بک کے ان باکس میں میج کیا کہ "ثقلین بھائی! میری وال پر فلاں صاحب نے میرے قائد کے بارے میں عجیب وغریب جملے لکھ رکھے ہیں،پلیز آپ اسے جواب دیں" ان کی بات نے حیران کردیا ، ہم نے عرض کی "حضور! دیکھیں ہوسکتاہے کہ آپ کے قائد کے حوالے سے ہمارے بھی تحفظات ہوں اس لئے آپ براہ کرم ہمیں معاف رکھیں،"" زید نے کہا کہ " آپ ایسا کریں میری وال پرآکر ایک دفعہ دیکھ لیں کہ اس نے کیا بکواس کررکھی ہے، اس کے بعد آپ مجھے اس کا جواب لکھ کران باکس کریں"تجویز خاصی معقول تھی اس لئے ہم نے حامی بھرلی ، اتفاق دیکھئے کہ ان کی وال پر عجیب وغریب تبصرے کرنیوالے صاحب (انہیں آپ بکر سمجھ لیں) بھی ہمارے فیس بکی دوست تھے، بکر کے تبصرہ کو غور سے پڑھا اور پھر اس کااردو فانٹ میں جواب لکھ کر زید کو ان باکس کردیا، دو تین مرتبہ یہ کام کرنے کے بعد اچانک بکر کی طرف سے ان باکس میں میج ملا "ثقلین بھائی! یہ لڑکا زید جو ہے ،اس کی وال پر میری بحث چل رہی ہے اچانک اس نے اتنے دلائل کے ساتھ جواب دینا شروع کردیا کہ میں حیران ہوں، آپ پلیز میری حمایت میں لکھ دیں کیونکہ آپ نے بھی ایک سے زائد مرتبہ اس کے قائد کے حوالے سے کچھ ایسی ویسی باتیں لکھی تھیں" ہم نے عرض کی "حضور! وہ باتیں اس وقت کے حساب سے تھی ہمارا ان کے قائد سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں اس لئے آپ ہمیں معاف رکھیں"" بکر نے منت کے انداز میں کہا کہ "اچھا ایسا کریں آپ جواب لکھ کرمجھے ان باکس کردیں میں خود پوسٹ کردونگا "

اس کے بعد یقینا بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہمارا ایک ڈیڑھ گھنٹہ اسی بحث مباحثہ کے چکر میں گزرگیا، گو کہ ابتدا میں یہ کام بڑا ہی دلچسپ تھا لیکن بعد میں بوریت ہونے لگی تو ہم نے فیس بک سے جان چھڑا مناسب سمجھی۔خیر اگلے دن زید نے آن لائن ہوتے ہی پھر کہا کہ "واہ ثقلین بھائی مزہ آگیا آپ نے بکر کو خوب مزہ چکھادیا" ابھی ہم ان کے تعریفی جملوں کالطف اٹھارہے تھے کہ بکر صاحب نے آن لائن ہوتے ہی تقریباً ایسے ہی ملتے جلتے میج کئے ، ہم نے دونوں کی تعریفیں دونوں ہاتھوں سے سمیٹیں اورگلے سے لگالیں۔

صاحبو! سوشل میڈیا پر محض یہ دو ہی ایسے کردار نہیں بلکہ روزانہ ایسے کردار سے واسطہ پڑتاہے، جن کی فرمائشیں بھی عجیب ہوتی ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے لکھے پر واہ وا ہ کرنے کے علاوہ چند ایک جملے بھی لکھے جائیں تاکہ ان کی پوسٹ کی گئی"تخلیق نما شئے" کی اہمیت وافادیت بڑھ جائے ۔اچھا ان باتوں کو چھوڑیئے یہ دیکھئے کہ واہ واہ کی خواہش کسے نہیں ہوتی لیکن سوشل میڈیا خاص طورپر فیس بک کے حوالے سے عجب طرز کی کہانیاں بھی سامنے آتی ہیں اس دنیا کے دانشور جس قدر سچے اور پکے ہیں اسی قدر واہ واہ کرنیوالوں کی حالت بھی ویسی ہی ہے۔پاناما کیس سے لیکر پی ایس ایل تک ، اگر فیس بکی دانشوروں کے تبصرے پڑھے جائیں تو بندہ خود سوچنے پرمجبورہوجاتاہے کہ اگر اتنی ہی دانش ان افراد میں ہوتی تو قوم کی یہ حالت نہ ہوتی۔ گویا دانش بیچاری بھی دانشوروں کی عقل پر ماتم کرتی نظرآتی ہے۔ 2013کے انتخابات کے دوران بھی عالم کچھ ایسا ہی تھا ، طرح طرح کے تبصروں سے ہم نے نتیجہ اخذ کیا کہ اب کی بار نہ تو پیپلزپارٹی جیت پائے گی اورنہ ہی مسلم لیگ کے سر کامیابی کا سہرا سجے گا ، عمران خان بھی بس ففٹی ففٹی کامیابی حاصل کریگے ؟ لیکن اصل کامیابی ہوگی کس کی؟ یہ سوال الیکشن کے نتائج تک ادھورا ہی رہا لیکن جونہی انتخابات ہوئے تو پتہ چلا کہ مسلم لیگ ن واضح اکثریت کے ساتھ حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ سوا ل وہی کہ اگر فیس بک کے دانشوروں کے اٹھائے گئے چاند سورج کے بارے قیاس کیاجائے تو یہی لگتا ہے کہ ابھی دن کو رات اور رات کو دن بنادیں گے۔

ایک ایسے ہی فیس بکی دانشور سے بات چیت ہورہی تھی فرمانے لگے " پی ایس ایل کی ٹیموں کاجائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچاہوں کہ کراچی کنگز ،لاہور قلندر جیسی ٹیموں پر خود انہیں بھی اعتبار نہیں، پشاور زلمی ،کوئٹہ گلیڈی ایٹر کے جیتنے کے بھی امکانات کم ہیں،اسلام آباد یونائیٹڈ بھی گذشتہ برس جیسی مضبوط ٹیم نہیں ہے"" اس تبصرہ نگار سے ہم نے پوچھا" پھر کون جیتے گا " یہ سوال پڑھتے ہی انہوں نے فرمایا "اوہ ہو و ،یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا "

یہی صورتحال پاناما لیکس کے حوالے سے بھی درپیش ہے ، طرح طرح کے تبصرے پڑھنے کے بعد بندہ خواہ مخواہ ہی خود کو جج سمجھ بیٹھتا ہے اوران تبصروں کی روشنی میں فوراً فیصلہ صادر کردیتاہے کہ نوازشریف کو عہدہ سے ہٹانے کے علاوہ عمر بھر کیلئے نااہل قرار دیاجاتاہے ۔ ان میں سے بعض تبصرے تو بڑی ہی دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگرعدالت عظمٰی کی جیوری وہ پڑھ لے تو ان کی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی ، یقینا کریں کہ قانون، آئین کی تشریحات جس قدر دلچسپ اندازمیں فیس بک پر نظرآتی ہیں اس کا عشر عشیرکوئی حقیقی ماہر قانون وآئین نہیں ہوسکتا۔

ایک تبصرہ نگار سے اچھی خاصی سلام دعا ہے، انکے ہر ادبی ،سیاسی تبصرہ پر واہ واہ کرنیوالوں کی تعداد ہمیشہ سینکڑوں میں ہوتی تھی، ایک دن ہم نے مشورہ دیا کہ ' آپ اچھا لکھتے ہیں آپ کی تحریروں، تبصروں میں جامعیت ہوتی ہے لہٰذا کسی قومی روزنامہ کاقصد کرلیں" انہوں نے بڑے ہی فخریہ انداز میں جواب دیا "انشا اللہ آپ آئندہ چند دنوں میں کسی بڑے قومی اخبار میں میری تحریر پڑھ سکیں گے" کچھ دن انتظار ہیں گزر گئے پھر پتہ چلا کہ ایک قومی اخبار انچارج ادبی صفحہ نے ان کے تبصرہ پر عجیب سا تبصرہ کیا " کچھ حصہ تو ڈاکٹرپونس بٹ کی تخلیقات سے متاثرہ نظرآتا ہے، کچھ جملوں کی کانٹ چھانٹ فلاں فلاں رائٹر کے زیر اثر ہے، بعض پیروں پر فلاں فلاں ادبی لکھاری نے پہلے سے ہی قبضہ جمایا ہوا ہے اورجملوں کی کاٹ حسن نثار سے مستعار لی گئی ہے" اس تبصرہ نگار کے تبصرہ پر اتنابھرپور تبصرہ یقینا بہت ہی دلچسپ تھا کہ ا س کے بعد مزید کسی تبصرے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی

§§§

کاروباری راز

مصنف: یوسف

اس دوکان سے مجھے میڈیسن خریدتے تیسرا روز تھا ،اور میں میڈیکل سٹور والے کی خوش اخلاقی سے کافی متاثر بھی تھا، اسی وجہ سے میں بار بار اسی دوکان والے کے پاس جا رہا تھا ۔ہسپتال میں موجود مریض جس کیلئے ادویات خرید ی جا رہی تھیں اب تقریبا صحتیاب ہو رہا تھا۔

ڈاکٹرز نے جو ادویات لکھ کر دی تھیں،ان میں سے کچھ ادویات بچ گئیں تھیں جو کہ فل پیکڈاور قابل استعمال تھیں۔میں نے سوچا یہ ادویات واپس کر دی جائیں ۔جب میں اس ارادے سے میڈیکل سٹور والے کے پاس پہنچا اور اسے ادویات کی واپسی کا بولا تو پہلے تو اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھاپھر ایسے ردعمل کا اظہار کیا جیسے میں نے اسے کوئی گالی نکال دی ہو۔اس نے ادویات واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔میں حیران رہ گیا کہ جس بندے کے پاس صرف اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے بار بار میں جا رہا تھا اب میرے ساتھ کس طرح کا حسن سلوک کر رہا ہے۔خیر میں نے زیادہ اصرار کیا توموصوف کہنے لگے کہ واپسی اس صورت میں ہوگی اگر آپ نقد رقم واپسی کی بجائے کوئی دوسری میڈیسن خریدیں۔پھر مجبورامجھے متبادل کے طور دوسری ادویات خریدنی پڑی،لیکن واپسی پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہے تو وہ مسلمان اور باہر بورڈ میں نام میں بھی حاجی لکھا ہوا ہے ۔لیکن سامان دیتے وقت اور لیتے وقت اس کے رویے میں فرق کیوں تھا ؟اس رویہ کی وجہ سے میں نے آئندہ کبھی بھی اس سے کچھ نہ خریدنے کا تہیہ کر لیا۔اس طرح کے واقعات ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی رونما ہوئے ہوں، لیکن اس واقعہ کے پیچھے ایک اہم کاروباری رازپوشیدہ ہے جس کو ہمارے بیشتر تاجر اور کاروباری حضرات جانتے ہی نہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خرید وفروخت کے معاملہ کو ختم کرنے کو شریعت میں ''اقالہ'' کہتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ خریدارخریدی ہوئی چیز دوکان دارکو واپس کردے اوردکاندار خریدارکی اداکردہ رقم واپس کردے۔ آ پ ﷺ کا قول ہے ''جس نے کسی خریدے ہو ئے سامان کو (بلا بحث و مباحثہ اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے)واپس لے لیا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے گناہ مٹا دیں گے۔''۔مگر ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پارہے، اور غیر مسلموں نے اس پر عمل کرکے اس اہم '' کاروباری راز'' کو پا لیا ہے۔ ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں جسے سن کر مجھے لگا جیسے میں کوئی خیرالقرون کاقصہ سن رہا ہوں۔ پاکستان میں اکاؤنٹنگ اینڈفنانس کے ایک صاحب ہیں اپنے ساتھ امریکہ میں پیش آیا واقعہ بتاتے ہیں کہ کپڑا خریدے دو ماہ ہو چکے تھے۔ بیگم نے کھول کر دیکھا تو اسے اپنے معیار کا نہ پایا۔ کہنے لگیں یہ واپس کر آئیں۔ میں نے کہابھئی دو ماہ ہو چکے۔ اب واپس نہیں ہوگا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی انٹیلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یقین سے کہا یہاں واپس ہوجاتاہے۔ میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اچھا چلو رسید دے دو، میں سوچتا ہوں۔ اہلیہ نے حیرت کا دوسرا جھٹکا دیتے ہوئے کہا رسید بھی گم ہوگئی، لیکن واپس ہوجائے گا۔میرے لیے یہ بیگم کا نکتہء نظر قابل قبول نہیں تھا۔ میں نے تو پاکستان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے، خریدی ہوئی چیز واپس یا تبدیل نہیں ہو گی۔مجھے تو چند منٹ بعد واپس کرنے پر بھی کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آرہاتھا کہ دکان دار نے اسی خوش دلی سے چیز واپس لے لی ہو، جس خوش دلی کا مظاہرہ وہ بیچنے کے موقع پر کر رہا تھا۔ خیر! میں نے کہا کہ یہ کام تم ہی کر کے دکھاؤ۔ ہم دونوں وال مارٹ پہنچ گئے۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے پہلے رسید مانگی۔ پھر مختلف زبانی معلومات کے ذریعے کمپیوٹر سے اس خرید و فروخت کا پتہ لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا: "جی ہاں! آپ نے فلاں تاریخ کو یہ کپڑا ہمارے اسٹور سے خریدا تھا۔ آپ تبدیل کروانا چاہیں گے یا کیش؟ 'کیش۔ میں نے جواب دیا۔ اس خاتون نے مسکراتے ہوئے پوری رقم واپس کردی اور کہاNice Shopping" "

آج کے زمانے میں خریدی ہوئی چیز واپس لے لینا۔ واقعتا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ رویہ یا تو وہ اختیار کرے گا جو یا تو اس عمل پر اخروی ثواب کی امید رکھتا ہو۔ دوسرا وہ جو اس رویے کے در پردہ مالی فوائد کو سمجھ سکے۔وال مارٹ والے ظاہر ہے گاہک سے چیز ثواب کی نیت سے واپس نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ وہ دنیا کے مفادات کی خاطر انتہائی گہری تحقیق کے بعد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی فراخ دلی جب دکھائی جائے گی تو کچھ لوگ اسے غلط ضرور استعمال کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غور کر رکھا ہے۔ چنانچہ کرسمس کے بعدوال مارٹ کے باہر ایک طویل قطار سامان واپس کرنے والو ں کی لگتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کرسمس کے لیے جوتے، کپڑے اور ٹائی وغیرہ لے جاتے ہیں اور چند دن استعمال کر کے اس پیشکش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن وال مارٹ میں اسے بھی واپس لے لیا جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے انداز ے کے مطابق اس قسم کے لوگ معاشرے میں3 یا4 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر ان سے پوچھ گچھ کریں گے تو ہمارے96 فیصد گاہک متا ثر ہوں گے۔ لہٰذا ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار ہیں۔ دیکھیے! ہم جس چیز کو مشکل سمجھ رہے ہیں، وہ مغرب میں "کاروباری راز" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے بازاروں میں ایسا کیوں نہیں۔ غالباً اس کی وجہ دینی معلومات کی کمی یا دنیاوی فوائد کے لیے سنجیدہ ریسرچ سے گریز ہے۔یہ بات ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں بدعنوانی زیادہ ہونے کی وجہ سے وال مارٹ کی طرح آفر نہیں دی جا سکتی لیکن ضروری تحفظات کے ساتھ اس پر عمل تو ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اس ''کاروباری راز'' پر سنت نبوی ﷺ سمجھ کر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو یقینا ثواب کے ساتھ ساتھ کاروبار کو بھی بڑی تیزی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔اس بارے میں سوچیئے گاضرور!

§§§